سلسلۂ کتب درسیہ سررشتۂ تعلیمات

سرکار نظام الملک آصفجاہ خلد اللہ ملکہ و سلطنتہٗ

تاریخی کہانیاں

تیسری جماعت کے لئے

مرتبہ

مجلس نصاب کتب شعبۂ تاریخ

۱۳۴۸ف م ۱۹۳۹ء

مطبوعہ

اعظم اسٹیم پریس گورنمنٹ ایجوکیشنل پرنٹرز حیدرآباد دکن

قیمت (۸ آنہ)

ایڈیشن اول (۱۵۰۰۰)

بسلسلۂ کتب درسیہ سررشتہ تعلیمات

سرکار نظام الملک آصفجاہ خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ

تاریخی کہانیاں

تیسری جماعت کے لیے

مرتبۂ

مجلس نصاب کتب شعبۂ تاریخ

سنہ ۱۳۴۸ف م سنہ ۱۹۳۹ء

مطبوعۂ

اعظم اسٹیم پریس گورنمنٹ ایجوکیشنل پرنٹرز حیدرآباد دکن

بار اول

پندرہ ہزار

ہز اگزالٹڈ ہائینس مظفرالملک والممالک آصف جاہ سابع نظام الدولہ
نظام الملک اعلحضرت نواب سر میر عثمان علی خان بہادر فتح جنگ
سلطان العلوم جی۔سی۔ایس آئی۔جی۔سی۔بی۔ای
یار وفادار سلطنت برطانیہ۔ نظام حیدرآباد و برار

فہرست مضامین

تاریخی کہانیاں

تیسری جماعت کے لئے

فہرست تصاویر

تمہید

رائٹ آنریبل سر اکبر حیدری نواب حیدر نواز جنگ بہادر صدر اعظم ریاست حیدرآباد دکن کا ایک عرصہ سے یہ خیال تھا کہ ممالک محروسۂ سرکار عالی اور ہندوستان کے دوسرے صوبہ جات کے مدارس میں جو تاریخ کی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں ان میں تبدیلی کی ضرورت ہے۔ چنانچہ ممدوح نے کئی موقعوں پر اس کا اظہار فرمایا کہ ہماری نہایت اہم تعلیمی ضرورت یہ ہے کہ غیر فرقہ وارانہ نقطہ نظر سے سلیس اور سادہ زبان میں ہندوستان کی کتب تاریخ لکھوائی جائیں تاکہ بچوں میں شروع سے رواداری کے جذبات نشوونما پائیں اور وہ مختلف مذہبوں اور تہذیبوں کے اصول کی قدر کرنا سیکھیں۔

عالی جناب نواب سر صدر اعظم بہادر کی خواہش اور ہدایت کے مطابق سررشتہ تعلیمات سرکار عالی نے مختلف جماعتوں کے لئے جدید کتب تاریخ لکھوانے کا کام دو سال قبل شروع کیا۔ بحمد اللہ کہ اب

ابتدائی اور ثانوی جماعتوں کی نصابی کتب تاریخ مکمل ہو گئی ہیں۔ ان کتب کی ترتیب اور تالیف میں امور ذیل کا بطور خاص لحاظ رکھا گیا ہے۔

الف۔ سب تاریخی کتب غیر فرقہ وارانہ نقطہ نظر سے لکھی گئی ہیں تاکہ طلبا میں رواداری کے جذبات اور خیالات پیدا ہوں۔

ب۔ ہر دور کی تہذیب اور شائستگی کے پہلو پر زور دیا گیا ہے۔

ج۔ اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ زبان سلیس ہو اور اس کا معیار کسی طرح اس جماعت کے معیار سے بڑھنے نہ پائے جس کے لئے کتاب لکھی گئی ہو۔

ان تاریخی کہانیوں میں ان اشخاص کی زندگی کا حال پیش کیا گیا ہے جنہوں نے اپنے طور پر ہمارے دیس کی مختلف زمانوں میں خدمت انجام دی۔ ان کے نیک کاموں اور حوصلہ مندیوں کے سبب سے خود ان کا نام مشہور ہے اور ان کے اخلاق و عادات ہمارے لئے شمع ہدایت ہیں۔ امید ہے کہ ان کے حالات پڑھنے سے بچوں کی اخلاقی زندگی پر عمدہ اثر پڑے گا۔ ان کہانیوں میں بچہ کے حافظ کو زیادہ زیر بار نہیں کیا گیا۔ صرف وہی حالات پیش کئے گئے ہیں جن سے بچوں کو قدرتی طور پر دلچسپی ہوتی ہے۔ آسان اور سادہ زبان کے ذریعہ قصہ کے پیرایہ میں نوعمر بچوں کے تاریخی ذوق کو ابھارنے کی کوشش کی گئی ہے۔

ڈاکٹر یوسف حسین خاں صاحب ریڈر شعبہ تاریخ جامعہ عثمانیہ
اور مولوی سید نور الحسن صاحب. صدر مدرس مدرسہ فوقانیہ دارالشفاءٔ
شکریہ کے مستحق ہیں کہ انھوں نے بچوں کی نفسیات کو پیش نظر رکھتے
ہوئے اپنی تالیف کو دلچسپ بنانے میں کامیابی حاصل کی۔

مندرجہ ذیل اصحاب نے بحیثیت رکن مجلس نصاب تاریخ
ان کہانیوں کی ترتیب میں مدد دی اور اپنے مشوروں سے
مستفید کیا۔ ان کا بھی شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔

(۱) مولوی سید علی اکبر صاحب ایم اے (کینٹب) اسپیشل انسپکٹنگ آفیسر
سررشتہ تعلیمات و معتمد مجلس تعلیم ثانوی۔ صدر مجلس نصاب تاریخ۔

(۲) مولوی سجاد مرزا صاحب ایم اے (کینٹب)، سی ٹی
(لندن) پرنسپل ٹریننگ کالج۔ رکن

(۳) مولوی ہارون خاں صاحب شیروانی ایم اے (آکسن)
بار ایٹ لا۔ صدر شعبہ تاریخ جامعہ عثمانیہ رکن

(۴) ڈاکٹر یوسف حسین خاں صاحب بی اے، ڈی لٹ،
(پیرس) ریڈر شعبہ تاریخ جامعہ عثمانیہ رکن

(۵) ڈاکٹر ایشور ناتھ ٹوپا صاحب پی۔ ایچ۔ ڈی (فرانبرگ)
ریڈر شعبہ تاریخ جامعہ عثمانیہ رکن

(۶) مولوی شیر محمد خاں صاحب بی۔ اے مددگار ناظم تعلیمات۔

معتمد

سید محمد حسین جعفری

ناظم تعلیمات ملک سرکار عالی

رامچندر جی

پُرانے زمانے میں شمالی ہندوستان میں راجا دشرتھ راج کرتا تھا۔ اس کے چار بیٹے تھے۔ رامچندر جی اُن میں سب سے بڑے تھے۔ بچپن میں ایک رشی نے انھیں تعلیم دی تھی۔ رامچندر جی بہادر اور نیک تھے۔ راجا دشرتھ اپنے سب بیٹوں میں رامچندر جی کو سب سے زیادہ چاہتا تھا۔

جب رامچندر جی جوان ہوئے تو باپ کو اُن کی شادی کی فکر ہوئی۔ اس زمانے میں ایک مشہور راجا کی بیٹی سیتا جی کی نیکی اور

خوبصورتی کی دُور دُور شہرت تھی۔ سیتاجی
کے باپ کے یہاں ایک کمان تھی جو اتنی
بھاری تھی کہ طاقتور آدمی بھی اس کو نہیں
اُٹھا سکتا تھا۔ راجا نے سیتاجی کی شادی
کے لئے یہ شرط رکھی تھی کہ جو اس کمان کو
جُھکا دے گا اُس کے ساتھ سیتاجی بیاہ دی
جائیں گی۔ دُور دُور سے راجکمار آئے لیکن
اُن میں سے کوئی بھی اُس کمان کو نہ اُٹھا
سکا۔ رامچندر جی بھی اپنے اُستاد کے ساتھ
وہاں گئے۔ اُنھوں نے کمان کو اٹھا کر
اس زور سے موڑا کہ اس کے دو ٹکڑے
ہوگئے۔ سب لوگ رامچندر جی کی طاقت
کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔ راجا نے سیتاجی کو
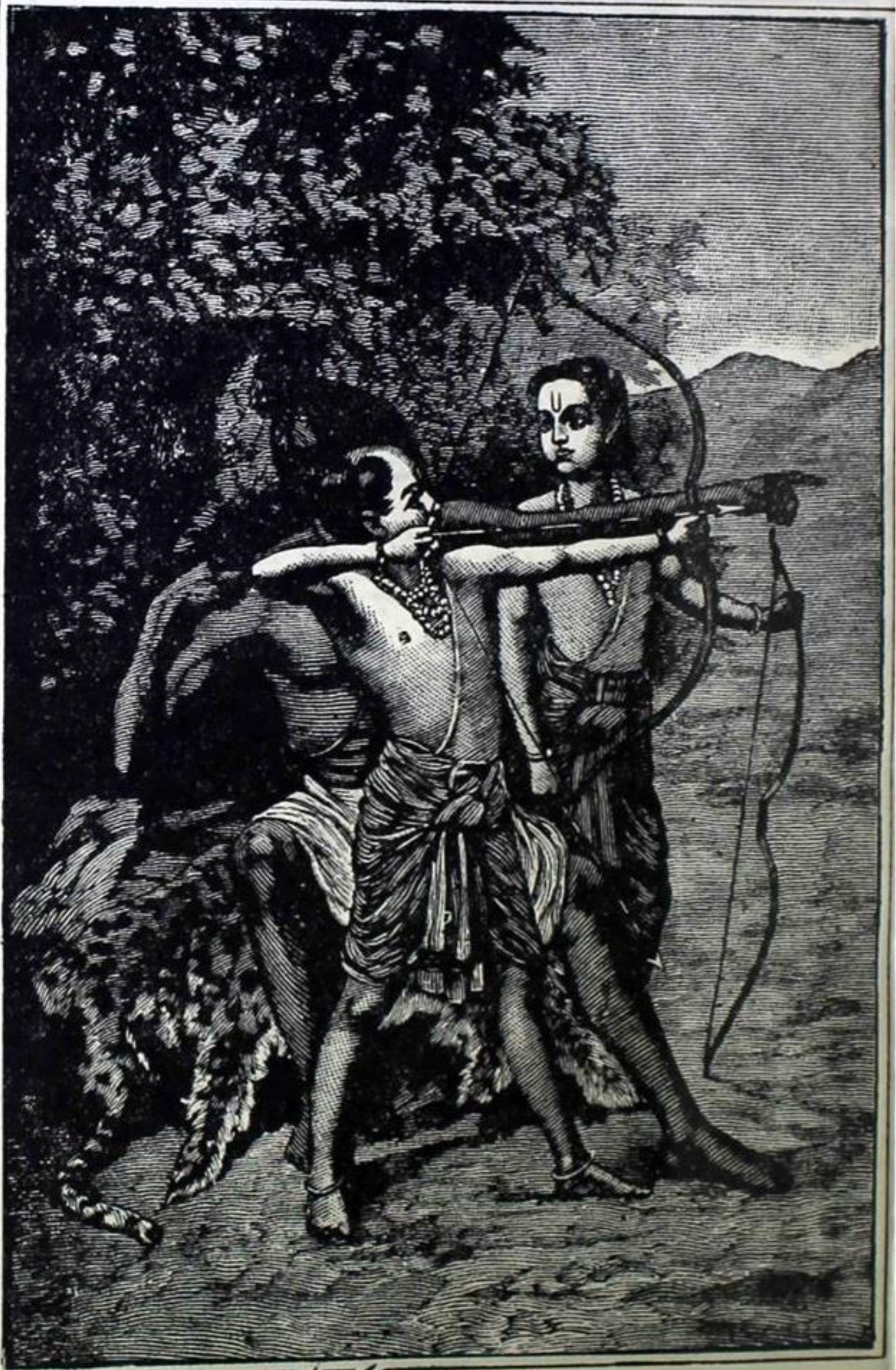
رامچندر جی کے تیر اندازی سیکھنے کی تصویر

رامچندر جی کے ساتھ بیاہ دیا۔ دونوں میاں بیوی خوشی اور آرام سے زندگی بسر کرنے لگے۔

راجا دشرتھ بوڑھا ہوگیا تھا۔ اُس نے اپنے وزیروں سے کہا "میں رامچندر جی کو اپنا ولیعہد بنانا چاہتا ہوں" وزیروں نے بھی یہی رائے دی۔ لیکن رامچندر جی کی سوتیلی ماں رانی کیکئی چاہتی تھی کہ اُس کا بیٹا بھرت گدّی پر بیٹھے۔

راجا دشرتھ رانی کیکئی کو بہت چاہتا تھا۔ اُس نے رانی سے وعدہ کیا تھا کہ وہ جو کچھ کہے گی اُسے پورا کرے گا۔ رانی نے کہا۔ "رامچندر جی کو چودہ برس کا بن باس

دو اور میرے بیٹے بھرت کو ولیعہد بناؤ۔"
دسرتھ نے جب یہ سُنا تو وہ بہت پریشان
ہُوا۔ لیکن وعدہ کا پورا کرنا ضروری تھا۔
رامچندر جی کو ولیعہد بنانے کی سب
تیاری شروع ہو گئی۔ ہر طرف جلوس
سجائے جا رہے تھے۔ لوگ خوشی کے
گیت گا رہے تھے۔ ہر چھوٹا بڑا رامچندر جی
کو چاہتا تھا۔ دربار کا سماں دیکھنے کے
لئے لوگ محل کے قریب جمع ہونے لگے۔
اُدہر راجا دسرتھ پریشان تھا کہ کیا کرے۔
رامچندر جی کو بن باس کا حکم کس دل سے
دے۔ اُس نے رامچندر جی کو بُلوایا اور اُن
سے اپنی پریشانی کا ذکر کیا۔ رامچندر جی سب

کچھ سُن کر بڑے ادب سے بولے۔ "پتا جی۔ آپ کوئی فکر نہ کریں۔ آپ جو حکم دیں گے میں اُسے مانوں گا۔ آپ اپنا وعدہ پورا کیجیے"۔

رامچندر جی سیدھے سیتا جی کے پاس آئے اور انھیں سب حال کہہ سنایا۔ سیتا جی بولیں۔ "میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گی۔ سُکھ میں شریک رہی تو دُکھ میں بھی شریک رہوں گی"۔ رامچندر جی نے بہت روکا لیکن وہ نہیں مانیں۔ رامچندر جی کے چھوٹے بھائی لکشمن جی بھی اُن کے ساتھ ہو لئے۔ تینوں نے جنگل کی راہ لی۔

راجا دشرتھ کو رامچندر جی سے بہت محبت

تھی۔ اُن کی جدائی کا اس کو بہت صدمہ ہوا۔ تھوڑے دِنوں بعد وہ مرگیا۔ بھرت جی سے اُن کی ماں کیکئی نے راج گدّی پر بیٹھنے کو کہا تو اُنھوں نے انکار کردیا اور اپنی ماں سے کہا۔ "یہ رامچندر جی کا حق ہے۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ رامچندر جی جنگلوں میں مارے پھریں اور میں گدّی پر آرام سے بیٹھوں"۔

رامچندر جی کی تلاش میں بھرت جنگل کو روانہ ہوگئے۔ آخر پتہ لگاتے لگاتے ان تک پہنچ گئے۔ بھرت نے رامچندر جی سے کہا۔ "میری وجہ سے آپ کو جو تکلیف اٹھانی پڑی اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔

میری ماں نے جو کچھ کیا وہ میری مرضی
کے خلاف تھا۔ آپ میرے ساتھ چلیں اور
گدّی پر بیٹھیں"۔

رامچندر جی کے دِل پر بھائی کی اِن
باتوں کا بہت اثر ہوا۔ انھوں نے بھرت کو
گلے سے لگا لیا اور بولے۔"جب تک چودہ برس
پورے نہ ہو جائیں میں دیس کو واپس نہیں
جا سکتا۔ پتاجی کے حکم کو پورا کرنا میرا
فرض ہے"۔ آخر بھرت نے رامچندر جی سے
کہا۔"اچھّا اپنی کھڑاویں دے دیجئے تا کہ
اُنھیں گدّی پر رکھ کر میں آپ کے آنے
تک راج کروں"۔

رامچندر جی دکن کے جنگلوں میں بن باس

کے دِن پورے کر رہے تھے۔ جھاڑیوں میں ایک جھُونپڑی بنالی تھی اس میں رہتے تھے۔ جنگل کے پھلوں پر گزُر ہوتی تھی۔ سِیتاجی کو ایک پھل بہُت پسند آیا جسے اب تک سِیتا پھل کہتے ہیں۔ یہ پھَل دکن میں بہُت پیدا ہوتا ہے ٭

ایک دِن رامچندر جی اپنے بھائی لکشمن کے ساتھ شِکار کو گئے تو لنکا کا راجا راون اُن کی چہیتی بیوی سِیتاجی کو جو اپنی جھُونپڑی میں اکیلی بیٹھی تھیں گرفتار کرکے لے گیا۔ رامچندر جی کو اس کا بہُت رنج ہوا۔ وُہ سِیتاجی کی تلاش میں نِکلے۔ مغربی گھاٹ کے ایک راجا نے جو راون کا دشمن تھا اُن

کی مدد کی۔ رامچندر جی نے اس کی مدد سے
لنکا پر چڑھائی کردی۔ راون نے رامچندر جی
کے لشکر کا مقابلہ کیا لیکن وہ مارا گیا۔

اب بن باس کے چودہ برس ختم ہوچکے
تھے۔ رامچندر جی سیتا جی کے ساتھ اپنے
دیس کو روانہ ہو گئے۔ جب وہ اپنے دیس
پہنچے تو رعایا نے بڑی خوشیاں منائیں۔
رامچندر جی نے بہت دنوں تک انصاف
کے ساتھ حکومت کی۔ وہ بڑے عقلمند بہادر
اور اپنی بات کے پکے تھے۔ وہ ایک محبت
کرنے والے شوہر، اطاعت گذار بیٹے اور
رعایا کی بھلائی کا خیال رکھنے والے راجا
تھے۔ انھیں خوبیوں کے سبب سے ان کا

نام آج تک عزّت سے لیا جاتا ہے ❖

مشق کے سوال

(۱) سیتاجی کے بیاہ کی کیا شرط تھی ؟ اس کو کس نے پورا کیا ؟

(۲) رامچندر جی نے اپنے باپ کی بات کیوں مانی ؟

(۳) بھرت جی رامچندر جی کے پاس جنگل میں کیوں گئے تھے ۔

(۴) رامچندر جی کی آج تک کیوں عزّت کی جاتی ہے ؟

(۵) سیتاجی کی آج تک کیوں عزت کی جاتی ہے ؟
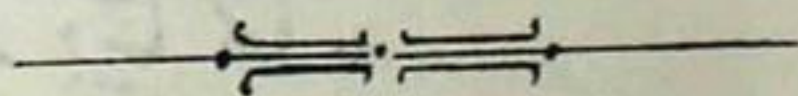
(۲)

مہاتما گوتم بُدھ

بُہت زمانہ ہوُا شمالی ہندوستان میں راجا سدھو دہن راج کرتا تھا۔ اُس کے اِکلوُتے لڑکے کا نام گوتم تھا۔ گوتم کے پیدا ہونے کے چند روز بعد ان کی ماں مرگئیں۔ اگرچہ ماں کا سایہ نہ رہا تھا لیکن باپ نے گوتم کو بڑے لاڈ پیار سے پالا۔ راجا کو گوتم سے بیحد محبّت تھی۔ ذرا دیر کے لئے بھی اُنہیں اپنی آنکھوں کے سامنے سے ہٹنے نہ دیتا تھا۔

جب گوتم ذرا بڑے ہوئے تو راجا نے

اُن کی تعلیم کے لئے لائق اُستاد مقرر کئے۔

گوتم بدھ

گوتم بڑے سمجھدار تھے۔ اُن کے گرو جو کچھ

ان کو سکھاتے وُہ بہت جلد سیکھ لیتے تھے۔ انھوں نے سواری اور تیر چلانے میں خوب مہارت پیدا کرلی تھی۔ لیکن گوتم کا اور دُوسرے لڑکوں کی طرح کھیل کُود میں دل نہیں لگتا تھا۔ وُہ کبھی کبھی گھنٹوں سوچ میں ڈوبے رہتے تھے ؛

ان کی یہ حالت دیکھ کر وزیر نے راجا سے کہا۔ "گوتم دُوسرے راجکماروں کی طرح سپہ گری سے دلچسپی نہیں رکھتے۔ اگر ان کا یہی حال رہا تو راج پاٹ کیسے سنبھالینگے" گوتم نے جب یہ بات سُنی تو انھوں نے سب کے سامنے دربار میں کہا۔ "جس کا جی چاہے مجُھ سے سواری اور تلوار چلانے

میں مقابلہ کرلے۔" دوسرے دِن انھوں نے میدان میں ہزاروں لوگوں کے سامنے ایسے کرتب دکھائے کہ سب دنگ رہ گئے۔

جب گوتم کی عمر اٹھارہ برس کی ہوئی تو ایک خوبصورت راجکماری سے ان کی شادی کردی گئی۔ کچھ عرصے بعد اُن کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ گوتم کے لئے اُن کے باپ نے ایک محل بنوا دیا تھا جس میں ہر قسم کے آرام کے سامان موجُود تھے۔ محل کے ساتھ نہایت عمدہ باغیچہ تھا جس میں طرح طرح کے پھول اور میوہ کے درخت تھے۔ لیکن پھر بھی گوتم اکثر رنجیدہ اور سوچ میں رہا کرتے تھے۔

گوتم بہت رحم دِل تھے۔ وہ بیماروں اور کمزوروں پر ترس کھاتے تھے۔ کسی کی تکلیف اُن سے نہیں دیکھی جاتی تھی۔ کبھی ایسا ہوتا کہ وہ شِکار کو گئے ہیں۔ ہرنوں کو ہری ہری گھانس پر چرتے دیکھکر تیر کمان پر چڑھایا۔ کمان پوری طرح کھینچ کر نشانہ لگانے ہی کو تھے کہ فوراً رُک گئے۔ دل میں خیال آیا کہ بیچارے ہرنوں نے میرا کیا بگاڑا ہے کہ انھیں ماروں۔

وہ کبھی گھوڑ دوڑ میں شریک ہوتے۔ دوسرے راجکماروں سے شرط لگائی جاتی کہ کس کا گھوڑا اول آتا ہے۔ گھوڑ دوڑ شروع ہوئی۔ گوتم اپنے گھوڑے کو ہوا کی

طرح اُڑائے لیئے جاتے ہیں۔ گھوڑا زور زور سے ہانپ رہا ہے۔ دوسرے راجکماروں کے گھوڑے بہت پیچھے رہ گئے۔ تماشائیوں کو پورا یقین ہے کہ گوتم شرط جیت لینگے۔ لیکن گوتم کے دل میں خیال آیا کہ گھوڑے جیسے وفادار جانور کو اس طرح تکلیف نہیں دینا چاہیئے۔ وہ فوراً رک گئے۔ گھوڑے کو چُمکارا اور تھپک کر ایک طرف کھڑا کیا۔ اتنے میں دوسروں کے گھوڑے آگے نِکل گئے ✣

گوتم جب کسی بوڑھے شخص کو دیکھتے تو وہ دل میں کہتے کہ انسان کا جسم چاہے کِتنا ہی مضبُوط ہو لیکن ایک دن کمزور

ہو جائے گا۔ ایک دفعہ انھوں نے ایک بیمار اپاہج آدمی کو دیکھا جو مصیبت کی جیتی جاگتی تصویر تھا۔ انھیں بہت رنج ہوا۔ انھوں نے سوچا کہ آخر دُکھ اور رنج کا کوئی عِلاج ہونا چاہیئے۔ وہ رات دن اسی سُوچ میں رہا کرتے تھے ٭

انسانوں کے دُکھ درد کو دیکھ کر گوتم نے دل میں ٹھان لی کہ ایسا دھرم تلاش کروں گا جس سے دل کو شانتی ملے۔ ایک رات جب سب گھر والے میٹھی نیند سو رہے تھے گوتم نے سب کچھ چھوڑ اکیلے جنگل کی راہ لی۔ وہ چھ برس تک سنسان جنگلوں میں پھرتے رہے۔ طرح طرح سے اپنے

جسم کو تکلیف دی۔ کھانا پینا چھوڑ دیا۔ ایک
دِن وہ بیٹھے ہوئے دھیان کر رہے تھے
کہ ایک دَم سے ان پر یہ بات کُھلی کہ
جسم کو تکلیفیں دینے سے کچھ نہیں ہوتا۔ اصلی
خوشی نیک کام اور انسان کی خدمت سے
حاصل ہوسکتی ہے۔ گوتم کے دل کو اِس
خیال سے تسلی ہوئی۔ اب وہ بُدھ یعنی
"جاننے والا" کے نام سے مشہور ہوگئے۔
گوتم بُدھ کی باتیں ایسی سچی تھیں کہ جو
کوئی انھیں سُنتا وہ ان کا مرید ہوجاتا تھا۔
کچھ عرصے میں ہزاروں آدمی ان کے نئے
مذہب میں شریک ہوگئے۔ ہندوستان کے
باہر چین اور جاپان تک ان کا مذہب پھیل

گیا۔ ان کے نزدیک سب انسان برابر تھے۔ مہاتما بدھ کہتے تھے کہ آدمی کو ہمیشہ سچ بولنا چاہیئے۔ نوکروں کے ساتھ اچھّا سلوک اور ماں باپ اور استاد کی عزّت کرنی چاہیئے۔ غریبوں اور کمزوروں کی مدد کرنی چاہیئے۔ جو آدمی بھلائی کرے گا وہ اس کا پھل پائے گا۔

مشق کے سوال

(۱) گوتم بُدھ کے بچپن کا حال بیان کرو۔
(۲) گوتم کے ہرن کے شکار کا قصہ بیان کرو۔
(۳) گھوڑ دوڑ کی شرط میں گوتم نے اپنے گھوڑے کو کیوں ایک دَم سے روک لیا تھا۔
(۴) گوتم جنگل کو کیوں گئے۔
(۵) گوتم بُدھ کی چند نصیحتیں بیان کرو۔

(۴)

چندر گپت بکرماجیت

چندر گپت کا باپ بڑا زبردست راجا تھا۔ باپ کے مرنے پر چندر گپت تخت پر بیٹھا اور بکرماجیت کا لقب اختیار کیا

چندر گپت بکرماجیت

جس کے معنی ہیں "بہادری کا سورج"۔ بعد

میں وہ اسی لقب سے مشہور ہوا۔

بکرماجیت بڑا بہادر تھا۔ اس نے بہت سے ملک فتح کئے۔ دکن پر بھی اس کی حکومت تھی۔ وہ رعایا کی بھلائی کا بہت خیال رکھتا تھا۔ اپنے وزیروں کے ساتھ رات کو شہر میں پھرا کرتا تھا تاکہ غریب لوگوں کی حالت کا پتہ لگائے۔ جو لوگ غریبوں کو ستاتے تھے انھیں وہ سخت سزائیں دیتا تھا۔ اس کے انصاف کے بہت سے قصے مشہور ہیں ۔

کہتے ہیں کہ ایک دفعہ راجا اندر شکرے کا روپ بھر کر بکرماجیت کے دربار میں آئے۔ بکرماجیت دربار میں بیٹھا تھا۔ ایک کبوتر اُڑتا ہوا آیا اور اس کے تخت

کے نیچے چھُپ گیا۔ وہ کبوتر بہت تھکا ماندہ
تھا۔ بکرماجیت کو اس کی حالت پر رحم آیا۔
اس نے اس کو دانہ پانی ڈلوایا۔ اِتنے میں
کیا دیکھتا ہے کہ ایک شکرہ اس کبوتر کی
تاک میں آکر بیٹھ گیا۔ جب بکرماجیت کے
نوکر اسے اُڑانے لگے تو وہ بولا۔ "بکرماجیت
تم بڑے منصف بنتے ہو۔ لیکن کیا تم کو معلوم
نہیں کہ میں بہت دیر سے اس کبوتر کا
پیچھا کر رہا ہوں۔ میں بھوک سے مرا جاتا ہوں۔
اس کبوتر کو چھوڑ دو۔"

بکرماجیت نے جواب دیا۔ "میرے پاس
جو پناہ لے اس کی حفاظت میرا دھرم ہے۔
میں کمزور کو زبردست سے بچاتا ہوں۔ بھلا

یہ کیسے ممکن ہے کہ میں کبوتر کو تیرے حوالہ کر دوں"۔ یہ سن کر شکرے نے کہا "یہ کہاں کا انصاف ہے کہ میں بھوک سے مرجاؤں اور تم کبوتر کی حفاظت کرتے رہو۔ اگر یہی انصاف ہے تو کبوتر کے بدلے اپنے جسم کے گوشت کا ٹکڑا مجھے کھانے کے لئے دو۔" بکرماجیت نے کہا۔ "اچھا یہ بات مانی"۔ یہ کہکر اس نے اپنے نوکر سے چھری منگوائی اور اپنے بازو پر سے گوشت کا ٹکڑا کاٹنے کے لئے چھری اٹھائی تھی کہ شکرے نے پر مار کر چھری نیچے گرا دی اور اپنا اصلی روپ ظاہر کر دیا۔

راجا اندر کو دیکھ کر بکرماجیت بہت حیران ہوا۔ راجا اندر نے بکرماجیت سے

کہا۔ حیران ہونے کی کوئی بات نہیں۔ میں نے تمہارے انصاف کا حال آسمان پر سنا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ خود اپنی آنکھ سے دیکھوں کہ جو کہا جاتا ہے وہ ٹھیک ہے یا نہیں۔ اب مجھے معلوم ہوگیا کہ تم دنیا میں سب سے بڑے انصاف کرنے والے ہو"۔

بکرماجیت کے زمانے میں کسی شخص کی یہ ہمت نہ تھی کہ غریبوں پر ظلم کرے۔ ایک چینی سیاح جو بکرماجیت کے زمانے میں ہندوستان آیا تھا لکھتا ہے کہ رعایا خوشحال تھی۔ شہر خوب آباد تھے۔ غریبوں کے لئے دواخانے بنے ہوئے تھے جہاں مفت دوائیں دی جاتی تھیں۔ ملک میں چور

اور ڈاکو نام کو نہیں تھے۔ مسافر بے خوف
جنگلوں اور پہاڑوں میں آتے جاتے تھے۔
بکرماجیت بڑا سخی تھا۔ اگرچہ وہ مذہب کا
ہندو تھا لیکن بدھ مت کی خانقاہوں کو
بہت کچھ دیا کرتا تھا۔ اس کے زمانے میں
ملک میں امن و آمان قایم تھا۔ اُس کی
حکومت کے قانون بہت اچّھے تھے۔ کوئی
زبردست کسی کمزور پر ظلم نہیں کرسکتا تھا۔

بکرماجیت کو علم کا بہت شوق تھا۔
اس کے دربار میں بڑے بڑے شاعر اور
عالم جمع رہتے تھے۔ اس کے دربار کے
نورتن مشہور ہیں۔ ان میں سے ہر ایک
اپنے فن میں کامل تھا۔ لیکن ایک شاعر

کالیداس نامی سب سے زیادہ مشہور ہوا۔ اس کا ناٹک شکنتلا بہت پسند کیا جاتا ہے ؛

مشق کے سوال

(۱)۔ شکرے اور کبوتر کا قصہ بیان کرو۔

(۲)۔ چینی سیّاح نے بکرماجیت کے زمانے کی کیا حالت بیان کی ہے ؛

(۳) کالیداس کون تھا ؟

---

(۴)

راجا ہرش

ہرش کا باپ تھانیسر کا راجا تھا۔ ہرش کی عمر سولہ برس کی تھی جب اس کا باپ مر گیا۔ وہ بچپن سے بڑا منچلا اور حوصلہ مند تھا۔ اُسے نئے نئے علاقے فتح کرنے کا بہت شوق تھا۔ اُس نے قنوج کو اپنی راجدھانی بنایا اور اس شہر کو خوب ترقی دی۔ شاندار محل بنوائے، باغ لگوائے اور تالاب کھُدوائے۔ اس شہر کی دولت کی دور دور دھوم ہو گئی۔

ہرش کی بہن کا نام راجیشوری تھا۔ ایک

ظالم راجا نے اُس کے شوہر کو مار ڈالا اور راجیشوری کو قید کرلیا۔ وہ چند وفادار ساتھیوں کو لے کر قید سے بھاگی۔ لیکن اب جائے کہاں؟ گھنے جنگلوں اور ویران بیابانوں میں ماری ماری پھرتی تھی۔ کوئی نہ تھا جو اُسے پناہ دیتا۔ آخر مجبور ہوکر وہ جان سے بیزار ہو گئی اور جل مرنے کی ٹھان لی۔

ہرش نے جب اپنی بہن کی مصیبت کا حال سُنا تو وہ ایک فوج لے کر اُس کی تلاش میں نکل کھڑا ہُوا۔ جنگلوں اور بیابانوں کو چھان مارا لیکن کہیں بہن کا پتہ نہ پایا۔ آخر ایک رشی کی مدد سے اس کو اپنی بہن کا

پتہ مِلا۔ وہ ٹھیک وقت اپنی بہن کے
پاس پہنچ گیا جب وہ آگ میں کودنے
والی تھی۔ اپنی دُکھیاری بہن کو دیکھ کر
وہ دُور سے چلّایا "راجیشوری یہ کیا کر رہی
ہو۔ میں آگیا ہوں، میں آگیا ہوں۔ دیکھو
بہن آگ میں نہ کودنا۔ راجیشوری نے
جب بھائی کی آواز سنی تو خوشی کے مارے
اس کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ وہ
دوڑ کر اپنے بھائی سے چمٹ گئی۔ بھائی
بہن دیر تک اپنے دُکھ درد کے قصّے ایک
دوسرے کو سناتے رہے۔ اس طرح بھائی
نے بہن کی جان بچائی۔

راجا ہرش بڑا بہادر تھا۔ اس کو نئے

نئے ملک فتح کرنے کا شوق تھا۔ اُس نے سارے شمالی ہندوستان کو فتح کرلیا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ دکن کو بھی فتح کرے۔ آخر اس نے ایک بڑا لشکر لے کر دکن پر بھی چڑھائی کردی۔ دریائے نربدا کے کنارہ ایک طرف اس کی فوج اور دوسری طرف دکن کے راجا کی فوج تھی۔ ہرش نے کئی دفعہ دریا پار کرنے کی کوشش کی لیکن اُسے کامیابی نہیں ہوئی۔ مجبور ہوکر اس نے دکن کے راجا سے صلح کرلی اور دکن کی فتح کا خیال چھوڑ دیا *

ہر پانچویں سال راجا ہرش کے حکم سے گنگا جمنا کے سنگم پر پریاگ (الہ آباد) میں

ایک میلا لگا کرتا تھا۔ اس میلے میں دُور دور سے لوگ شریک ہونے کو آیا کرتے تھے۔ دستکار اپنی بنائی ہوئی چیزیں بیچنے کو لاتے۔ گھانس کی دکانوں میں سونے اور چاندی کے زیور، ریشمی کپڑے اور دوسرے سامان اس خوبی سے چنے جاتے تھے کہ آدمی کا دل خریدنے کو چاہتا تھا۔

راجا ہرش جب میلے سے واپس ہوتا تو اپنا سارا دھن دولت غریبوں کو لٹا دیتا تھا۔ یہاں تک کہ اپنا قیمتی لباس بھی اتار کر کسی غریب کو دے دیتا اور اپنی بہن راجشوری سے اپنے پرانے کپڑے مانگ کر پہن لیتا تھا۔

راجا ہرش کی دولت اور اس کے دربار کی شان و شوکت دور دور مشہور تھی۔ وہ سونے کے برتنوں میں کھاتا تھا۔ جب وہ ہیرے جواہرات کے زیور پہن کر دربار میں آکر بیٹھتا تھا تو عجب سماں ہوتا تھا۔ اس کا تخت سونے کا تھا جس میں لعل، ہیرے اور قیمتی پتھر جڑے تھے۔ فرش پر قالین بچھے رہتے تھے۔ جب راجا کی سواری نکلتی تھی تو نوکر چاکر سونے کے ڈھول لئے آگے چلتے تھے۔ قدم قدم پر ڈھول بجائے جاتے تھے تاکہ معلوم ہو جائے کہ راجا کی سواری آرہی ہے۔ اس کے ہاتھی کا ہودہ سونے کا اور جھول ریشم کی ہوتی تھی۔ جب وہ سجے سجائے

ہاتھی پر سوار۔ پیچھے ہزاروں کا لشکر کچھ پیدل کچھ سوار نکلتا تھا تو اس کی وفادار رعایا اس کو دیکھنے کو جمع ہو جاتی تھی۔

راجا ہرش میں بہت سی خوبیاں تھیں۔ وہ نیک، رحم دل اور بہادر تھا۔ عالم فاضل لوگوں کی عزت کرتا تھا۔ اس کو خود بھی علم حاصل کرنے کا شوق تھا۔ وہ سنسکرت میں شاعری کرتا تھا۔

راجا ہرش نے بڑی شان سے بہت دنوں حکومت کی۔ لیکن یکایک نہ معلوم دل میں کیا سمائی بدھ مت اختیار کرلیا۔ سادھوؤں کے سے گیروے کپڑے پہن لئے۔ سارا خزانہ غریبوں کو تقسیم کر دیا اور خود سادہ زندگی

بسر کرنے لگا۔

مشق کے سوال

(۱) ہرش نے اپنی بہن کی جان کیسے بچائی۔ اس کے متعلق قصہ سناؤ۔

(۲) گنگا جمنا کے سنگھم پر جو میلا لگتا تھا اس کا حال بیان کرو۔

(۳) ہرش کی شان و شوکت کے کچھ حالات بیان کرو۔

---

(۵)

قطب الدین ایبک

قطب الدین ایبک ترکستان کا رہنے والا
تھا۔ ایک تاجر اس کو خرید کر ایران لایا۔ او

قطب الدین ایبک

ایک قاضی کے ہاتھ اس کو بیچ دیا۔ قاضی

نے اُس کو محبّت سے پالا۔ وہ قاضی کے لڑکوں کے ساتھ مکتب جانے لگا اور پڑھنے لکھنے میں سب سے آگے بڑھ گیا۔

قاضی کے مرنے کے بعد قطب الدین کو ایک اور تاجر نے خرید لیا اور اپنے ساتھ افغانستان لے آیا۔ اس زمانے میں افغانستان میں سلطان محمّد غوری حکومت کرتا تھا۔ وہ قطب الدین کی باتیں سُن کر بہت خوش ہوا اور تاجر سے اس کو خرید لیا۔ اُس نے پڑھنے لکھنے کے علاوہ قطب الدین کو سواری اور تیر اندازی کی تعلیم دلوائی۔ تھوڑے دنوں میں قطب الدین نے سپہ گری کے سب فنون میں مہارت پیدا کر لی۔ اس کی

عقلمندی اور بہادری کی دُور دُور شہرت ہوگئی۔ سلطان محمدؒ غوری کو قطب الدین پر بہت بھروسہ تھا۔ جب کسی نئے ملک پر حملہ کرنا ہوتا تو سلطان اس کو فوج کا سردار بنا کر بھیجتا تھا۔

قطب الدین ہمیشہ سے بہت رحم دِل اور سخی تھا لوگ اُس کو "لکھ بخش" کہتے تھے۔ بادشاہ سے اس کو جو کچھ انعام و اکرام ملتے وہ انھیں غریبوں کو تقسیم کر دیتا تھا۔ جس طرح چھلنی میں پانی نہیں ٹھہرتا اسی طرح اس کے ہاتھ میں روپیہ نہیں ٹھیرتا تھا۔ اس کے پاس جو کچھ ہوتا محتاجوں کو دے دیتا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ سلطان محمدؒ غوری
نے کسی فتح کی خوشی میں جشن کا دربار کیا۔
سارے شہر میں روشنی کی گئی ۔ محل کا تو کہنا
ہی کیا تھا۔ چھتوں میں جھاڑ اور فانوس ٹنگے
ہوئے تھے جن کی روشنی سے محل جگمگا رہا تھا۔
بادشاہ تخت پر بیٹھا ہوا تھا۔ اپنے افسروں
میں سے ایک ایک کو بلا کر انعام دے رہا
تھا۔ قطب الدین کو سب سے زیادہ انعام
ملے۔ اس کے دونوں ہاتھ ہیرے جواہرات
اور موتیوں سے بھر گئے تھے۔ بادشاہ کے
جانے کے بعد سب لوگ خوشی خوشی اپنے
گھروں کو چلے گئے لیکن قطب الدین ٹھیر گیا۔
اس کے ایک دوست نے پوچھا۔ "کیوں بھائی

اب کیوں ٹھیرے ہوئے ہو۔" قطب الدین نے کہا۔" ابھی مجھے کچھ کام باقی ہے"۔ دوست نے پوچھا۔" اب کیا کام ہے"۔ قطب الدین بولا "جن لوگوں کی بدولت ہمیں فتح نصیب ہوئی انھیں تو کچھ ملا ہی نہیں۔ انھیں میں انعام دوں گا۔" یہ کہکر وہ محل کے باہر نکلا اور سپاہیوں کو بلا کر اسے جو کچھ ملا تھا ان کو دے دیا۔ بادشاہ نے جب یہ سنا تو وہ قطب الدین کی بہت عزت کرنے لگا۔

قطب الدین کو عمارتیں بنوانے کا بہت شوق تھا۔ اس نے دہلی میں ایک مینار بنوایا۔ یہ مینار آج تک "قطب مینار" کے نام سے مشہور ہے اور اس کا دنیا کی عجیب

غریب عمارتوں میں شمار ہوتا ہے ۔ یہ اتنا اونچا
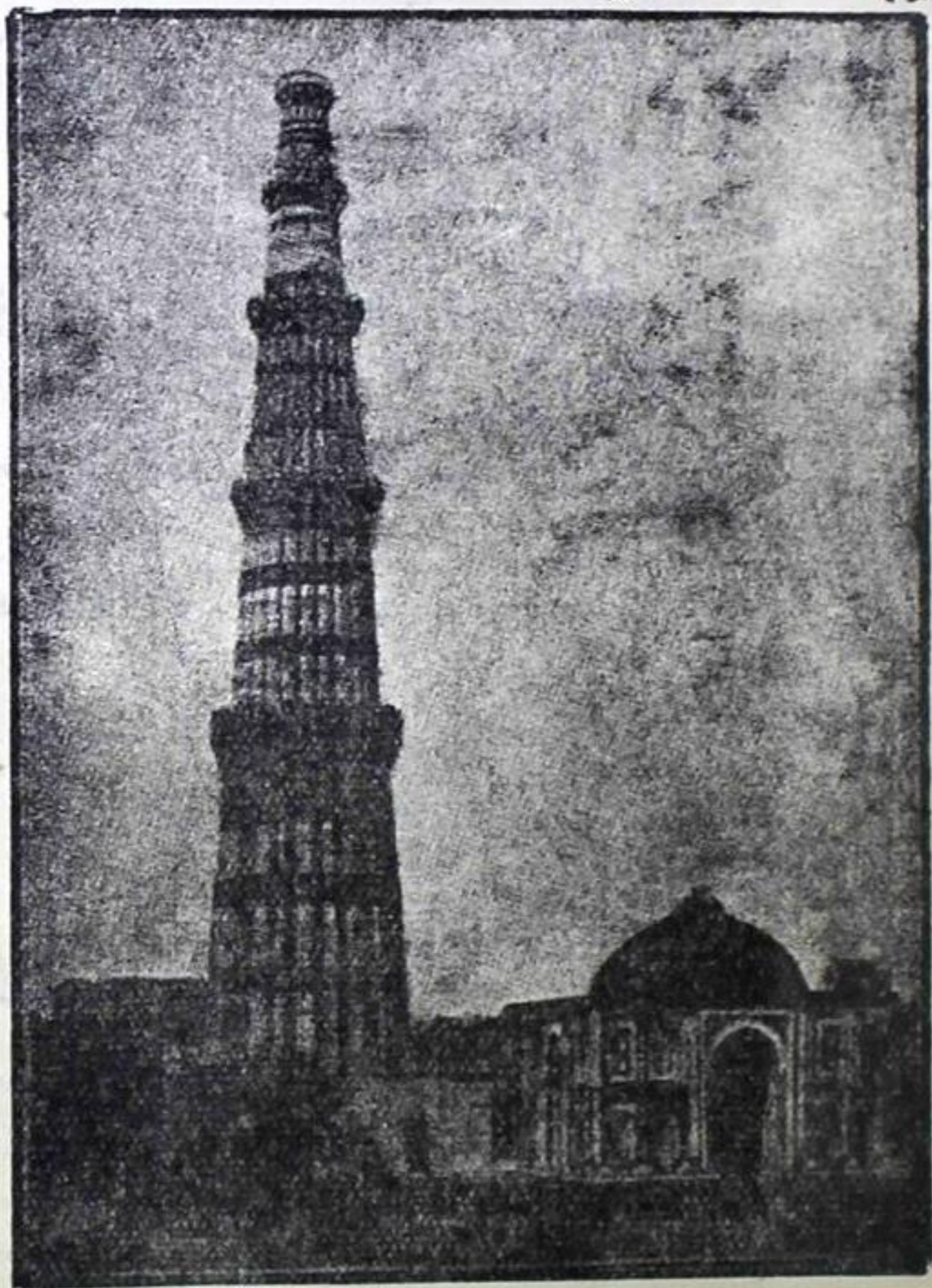
قطب مینار ۔ دہلی

ہے کہ سر اٹھا کر دیکھو تو گردن ٹیڑھی ہو جائے ۔

اس مینار کو دیکھنے لوگ دور دُور سے آتے ہیں۔

قطب الدین ایبک کو چوگاں کا بہت شوق تھا۔ آج کل اس کھیل کو پولو کہتے ہیں۔ ہونے والی بات ایک دن وہ چوگان کھیل رہا تھا کہ گھوڑے پر سے گر کر مرگیا۔ اس کی وفات کا رعایا کو بہت رنج ہوا۔ صرف آدمیوں کو نہیں بلکہ کہتے ہیں کہ جانوروں تک کو اس کے مرنے کا صدمہ ہوا۔ اس کا ایک سفید ہاتھی تھا۔ وہ ہمیشہ اس پر سوار ہوکر نکلا کرتا تھا۔ یہ ہاتھی ایسا وفادار تھا کہ اپنے آقا کی وفات کے بعد اس نے کھانا پینا چھوڑ دیا اور تین دن تک چینخیں

مار مار کر مرگیا ؏

مشق کے سوال

(۱) قطب الدین اصل میں کہاں کا رہنے والا تھا؟

(۲) قطب الدین ایبک کی سخاوت کا قصّہ سناؤ۔

(۳) قطب مینار کہاں ہے اور کس نے بنوایا؟

(۴) قطب الدین ایبک کس طرح مرا؟

---

(۶)

بادشاہ بابر

بابر کا باپ ترکستان کا بادشاہ تھا۔ وہ
ابھی تیرہ برس کا بھی نہ ہوا تھا کہ اس کا
باپ مرگیا۔ بابر بادشاہ ہوا لیکن اس
کے وزیر نے دھوکہ دیا۔ اس نے اس کے
چھوٹے بھائی کو تخت پر بٹھا دیا۔ اس کے
ماموں اور چچا دونوں بابر کی جان کے
دشمن ہوگئے۔ بابر نے نہایت ہمت سے
کام لیا۔ ایک شہر کے بعد دوسرا شہر فتح
کرتا لیکن پھر فتح کئے ہوئے شہر ہاتھ سے
نکل جاتے۔ اکثر یہ کم عمر شہزادہ اکیلا ٹھوکریں

کھاتا اور جان بچاتا پھرتا۔ بمشکل کچھ فوج جمع کی۔ لیکن اس کے پاس نہ اچھے ہتھیار تھے نہ کھانے پینے کے لئے کافی سامان اس پر بھی بابر کو اپنی بہادری پر کامل بھروسہ تھا۔

ایک دفعہ ناکام ہو کر وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ بھاگا۔ رات اندھیری تھی۔ گھومتے گھومتے ایک گاؤں میں پہنچا اور ایک کسان کے گھر میں پناہ لی۔ کسان نے اس کو کھلایا پلایا۔ وہ کسان بوڑھا تھا۔ اس کی ماں بھی زندہ تھی جو بہت بوڑھی تھی۔ اس کو تیمور کے زمانے کے بہت سے قصے یاد تھے۔ جو

جو اُس نے بابر کو سنائے یہ قصے سن کر بابر کی ساری تھکن دور ہوگئی۔ اس بوڑھی عورت نے ہندوستان کا اس طرح سے ذکر کیا کہ بابر کے دل میں ایک نئی امنگ پیدا ہو گئی اور وہ ایک نئی دنیا کی سیر کرنے لگا۔ اس نے ارادہ کیا کہ ایک دن ضرور ہندوستان کا بادشاہ ہوں گا۔

وطن میں آئے دن کی لڑائی سے تھک کر بابر نے سوچا کہ باہر قسمت آزمائی کرنی چاہئے۔ بابر نے ایک چھوٹا سا لشکر لے کر دشمنوں پر حملہ کیا اور فتح کرتے کرتے کابل پہنچا۔ وہاں اس نے اپنی حکومت قائم کی۔

کابل میں بیٹھے بیٹھے بابر ہندوستان کی حالت دیکھ رہا تھا اور موقع کی تلاش میں تھا کہ کب حملہ کرے ؛

ہندوستان کا بادشاہ ابراہیم لودھی ظالم اور عیش پرست تھا۔ رعایا پریشان تھی۔ صوبہ دار بغاوتیں کر رہے تھے۔ ہندوستانی امیروں کے بلوانے پر بابر فوراً ایک زبردست لشکر لے کر ہندوستان کی طرف روانہ ہوگیا۔ ہندوستان آتے ہوئے جہاں ٹھیرتا غریب گاؤں والوں سے باتیں کرتا اور ان کے دُکھ درد کا حال معلوم کرتا۔ راستہ میں جتنے دریا پڑے انھیں تیر کر پار کیا۔ پانی پت کے میدان میں بابر اور ابراہیم لُودھی

کی فوجیں جمع ہوئیں۔ غضب کی لڑائی ہوئی۔ ابراہیم لودھی مارا گیا اور اس کے سپاہی ہتھیار چھوڑ کر بھاگے۔ بابر فتح کے نقارے بجاتا دہلی میں داخل ہوا۔ اب اس کو صرف رانا سانگا سے مقابلہ کرنا تھا۔ رانا سانگا بہت بہادر راجپوت سردار تھا۔ اس کی فوج بڑی زبردست تھی۔ بابر کے سردار اور سپاہی دشمن کی فوج دیکھ کر سہم گئے۔ لیکن بابر نے ان کو ہمت دلائی۔ بابر کی فوج جوش میں بھر گئی اور بہت بہادری سے لڑی۔ بابر کو لڑائی میں فتح ہوئی۔

بابر کا ہندوستان میں اب کوئی مقابلہ کرنے والا باقی نہیں رہا۔ رفتہ رفتہ تقریباً

تمام شمالی ہندوستان اس کے قبضہ میں آگیا۔
اس نے اپنی بہادری اور استقلال سے
ہندوستان میں مغلوں کی سلطنت قایم کی۔
یہ مغل خاندان کا پہلا بادشاہ تھا۔ اس کے
مرنے کے بعد اس کی اولاد نے کئی سو سال
ہندوستان پر حکومت کی۔

بابر مصیبت کے وقت گھبراتا نہیں تھا۔
نڈر ایسا تھا کہ چلتی تلواروں میں گھس
جاتا۔ وہ چڑھے دریاؤں کو تیر جاتا تھا۔
اس کی قوت کا یہ حال تھا کہ دو قوی
آدمیوں کو اپنی بغلوں میں دبا کر بلند فصیل
پر دوڑتا تھا۔ دنوں گھوڑے کی پیٹھ پر گزار
دیتا۔ میلوں پیدل چلتا۔ بڑا رحم دل تھا۔ وہ

دشمن کو ہمیشہ معاف کر دیا کرتا تھا۔ افسروں کی نا انصافی اور سختی کی اگر اس کو خبر ہو جاتی تو سزائیں دیتا۔ سخاوت کی یہ حالت تھی کہ دہلی کا خزانہ ہاتھ آیا تو سارے کا سارا اپنے سپاہیوں پر تقسیم کر دیا۔ رعایا کے آرام کی خاطر اس نے اچھے اچھے باغ لگوائے۔ نہریں کھدوائیں۔ تالاب اور کنویں بنوائے۔ اس کا کہنا تھا کہ بادشاہ باپ کی طرح ہوتا ہے اور رعایا اولاد کی طرح۔ بابر عربی فارسی اور ترکی زبانوں میں مہارت رکھتا تھا۔ اس کو شاعری سے دلچسپی تھی اور خود بھی ترکی زبان میں شعر کہتا تھا۔ اس نے اپنی زندگی کا حال ترکی میں لکھا ہے جسے "توزک بابری"

کہتے ہیں۔

بابر کو اپنی اولاد سے بے حد محبت تھی۔ ایک مرتبہ اس کا چہیتا بیٹا ہمایوں بیمار پڑا۔ بہت علاج کیا لیکن اس کی حالت دن بدن بگڑتی گئی۔ بابر بیحد پریشان اور فکر مند تھا۔ کسی نے کہا کہ اگر ہمایوں پر سے کوئی قیمتی چیز صدقہ کی جائے تو شاید اس کی جان بچ جائے۔ بابر نے یہ سن کر کہا۔ "میرے پاس اپنی جان سے زیادہ قیمتی کوئی چیز نہیں۔ میں اس کو صدقہ کرتا ہوں"۔ یہ کہکر ہمایوں کے پلنگ کے گرد تین مرتبہ پھرا اور کہا "ہمایوں کی بلا میں نے لے لی"۔ اُس دن سے ہمایوں اچھا ہونے لگا اور بابر ایسا بیمار پڑا کہ آخر مر ہی گیا۔ مرتے
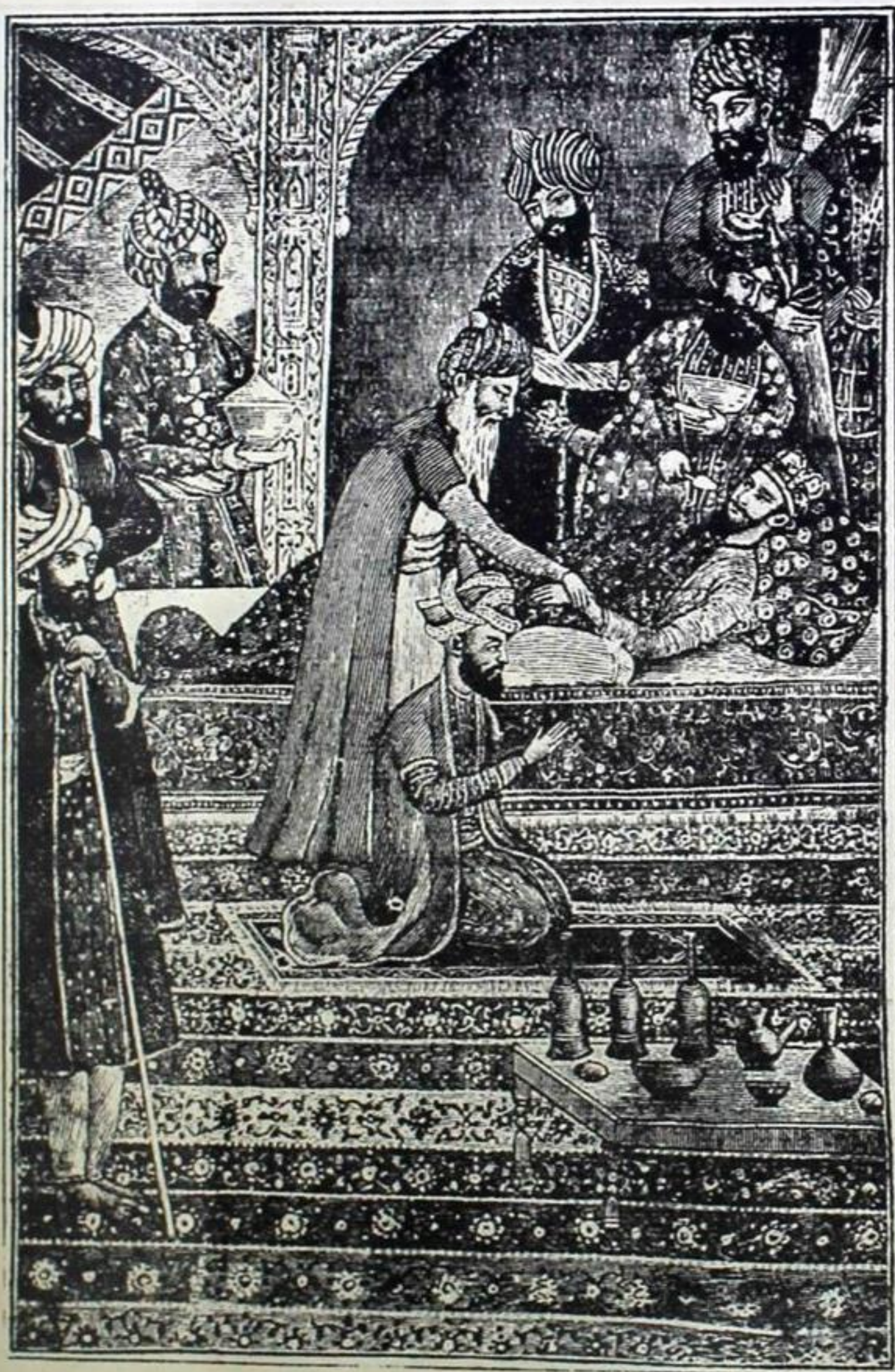
ہمایون شاہ کی بیماری

وقت اس نے ہمایوں کو نصیحت کی کہ بھائیوں
سے اچھا برتاؤ کرنا اور رعایا کی بھلائی کا
ہمیشہ خیال رکھنا۔ یہ کہتے کہتے ہندوستان کے
اس زبردست بادشاہ کی ہمیشہ کے لئے
آنکھیں بند ہوگئیں ؎

مشق کے سوال

(۱) بابر کو اپنے بچپن میں کیا مصیبتیں برداشت کرنی
پڑیں۔

(۲) بابر ہندوستان کا بادشاہ کیسے بنا۔

(۳) بابر کن باتوں کو پسند کرتا تھا۔

(۴) ہمایوں کی بیماری کا قصّہ بیان کرو۔

---

(۷)

شاہجہاں

جہانگیر ہندوستان کا مشہور بادشاہ گزرا ہے۔ اس کا بیٹا شاہجہاں اس کے مرنے کے بعد بادشاہ ہوا۔ شاہ جہان کی ماں ایک راجپوت خاندان کی راجکماری تھی۔ اس طرح اس کی رگوں میں مغل اور راجپوت خون موجود تھا۔ شاہ جہاں میں مغلوں کی شان و شوکت اور راجپوتوں کی بہادری پائی جاتی تھی۔ وہ بچپن سے

شاہ جہاں

نہایت محنتی اور ذہین تھا۔اس کے باپ نے
اس کی تعلیم کا نہایت عمدہ انتظام کیا تھا۔
لکھنے پڑھنے کے ساتھ سپاہ گری کے ہنر بھی
اس کو سکھائے گئے تھے ۔ وہ سواری اور تلوار
چلانے میں پوری مہارت رکھتا تھا۔

ایک دفعہ جب شاہ جہاں سولہ برس
کا تھا تو وہ اپنے باپ جہانگیر کے ساتھ شکار
کے لئے گیا۔ جہانگیر جنگل میں شیر کی تلاش
میں ایک طرف نکل گیا اور شاہجہاں کو دوسرے
لوگوں کے ساتھ خیمہ میں چھوڑ گیا۔ ہونے
والی بات کہ شیر بجائے اُس طرف نکلنے کے
جدھر جہانگیر گیا تھا خیمہ کے پاس آ نکلا۔
شاہجہاں کے وفادار نوکر انوپ رائے نے

اُس پر حملہ کیا۔ شاہ جہاں نے دیکھا کہ شیر انوپ رائے کو گرائے لیتا ہے تو اس نے دوڑ کر اس زور سے شیر کے سر پر تلوار کا وار کیا کہ وہ زخمی ہو کر جنگل کی طرف بھاگ گیا۔ اس طرح اس نے اپنی جان خطرہ میں ڈال کر اپنے وفادار نوکر کی جان بچائی۔ جب جہانگیر کو اس واقعہ کا علم ہوا تو وہ اپنے بیٹے کی بہادری سے بہت خوش ہوا۔

شاہ جہاں جب جوان ہوا تو اس کی شادی ایک ایرانی امیر کی لڑکی کے ساتھ ہوئی جو نہایت حسین اور عقلمند تھی۔ شاہ جہاں نے بادشاہ ہونے کے بعد اس کو "ممتاز محل" کا خطاب دیا۔ میاں بیوی میں بے حد محبت تھی۔

جب شاہ جہاں فوج کے ساتھ ملک فتح کرنے کے لئے جاتا تو ممتاز محل بھی اس کے ساتھ جاتی تھی۔ ممتاز محل جب بہت بیمار ہوئی تو شاہجہاں نے دُور دُور سے بڑے بڑے حکیموں کو علاج کے لئے بلوایا۔

ممتاز محل

مگر موت کی گھڑی نہ ٹلنی تھی نہ ٹلی۔ ممتاز محل کے مرنے کا شاہ جہاں کو بہت رنج ہوا۔ مرتے وقت ممتاز محل نے اپنے شوہر سے کہا تھا۔ "میری قبر پر ایسی عمارت بنوانا

جو ہم دونوں کی محبت کی دنیا میں یادگار رہے۔" شاہ جہاں نے اس کا کہنا پورا کیا۔

اس نے اپنی چہیتی بیوی کی یاد میں جو مقبرہ بنوایا اس کی مثال دنیا میں نہیں ملتی۔ اس کو "تاج محل" کہتے ہیں۔ یہ آگرہ میں جمنا کے کنارہ واقع ہے اور سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے۔ اس کی دیواروں اور چھت پر قیمتی پتھروں میں ایسے خوبصورت گل بوٹے بنائے گئے

تاج محل آگرہ

ہیں کہ آدمی کا جی چاہتا ہے انھیں دیکھے جائیے۔ طرح طرح کے ہیرے جواہرات سے اس کو سجایا گیا تھا۔ تاج محل کے ساتھ نہایت عمدہ باغ ہے جس میں صاف پانی کی نہریں اور فوّارے بہار دکھاتے ہیں۔ چاندنی رات میں تاج محل کا عجب سماں ہوتا ہے۔ برسات میں جب جمنا کا پانی مقبرہ کی دیوار کو چھوتا ہے تو اس کا پورا عکس پانی میں دکھائی دیتا ہے۔ چاندنی سے ساری عمارت جگمگا اٹھتی ہے۔ تاج محل کو بنے ہوئے کئی سو برس ہو گئے لیکن اس کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی بن کر تیار ہوا ہے۔ اس کو دیکھنے کے لئے دنیا بھر سے لوگ آتے ہیں۔

شاہ جہاں عمدہ اور نفیس چیزوں کو پسند کرتا تھا۔ اس نے ایک تخت بنوایا تھا جس کی شکل ناچتے ہوئے مور کی طرح تھی۔ اس کا نام "تخت طاؤس" تھا۔ طاؤس مور کو کہتے ہیں۔ یہ تخت ایسی ہشیاری سے بنایا گیا تھا کہ جو اسے دیکھتا حیران رہ جاتا تھا۔ یہ سونے کا بنا ہوا تھا۔ اور اس میں قیمتی ہیرے جواہر جڑے ہوئے تھے۔ شاہ جہاں نے اس کے بنوانے کے لئے دور دور سے کاریگر بلوائے۔ وہ جب دربار کرتا تھا تو اس تخت پر بیٹھتا تھا۔

شاہ جہاں کو عمارتیں بنوانے کا بہت شوق تھا۔ جب عمارتوں کے نقشے تیار کئے جاتے تو وہ خود بھی مشورہ دیا کرتا تھا۔ تاج محل

کے علاوہ اس نے آگرہ کے قلعہ میں موتی مسجد بنوائی جو دنیا کی سب سے زیادہ خوبصورت مسجد ہے۔ اسی طرح دہلی کی جامع مسجد بھی جو شاہ جہاں نے بنوائی تھی اپنی نظیر نہیں رکھتی۔ یہ لال پتھر کی بنی ہوئی ہے جس میں کہیں کہیں سنگ مرمر کی پٹیاں ہیں جو نہایت بھلی معلوم ہوتی ہیں۔ دہلی کا لال قلعہ بھی اس بادشاہ نے بنوایا۔ شاہ جہاں نے دہلی کا نیا شہر آباد کیا جس کا نام شاہ جہاں آباد رکھا۔

شاہ جہاں کے زمانے میں شاہی خزانہ بھرپور تھا۔ رعایا خوش و خرم زندگی بسر کرتی تھی۔ اِس بادشاہ کے دربار کی شہرت اور اس کی دولت کے قصے باہر کے ملکوں میں مشہور ہوگئے

تھے۔ چنانچہ اس زمانے میں باہر کے جو لوگ ہندوستان آئے وہ شاہجہاں کے دربار کی رونق دیکھ کر دنگ رہ گئے۔

مشق کے سوال

(۱) شاہ جہاں کا شیر سے مقابلہ کا قصہ بیان کرو۔

(۲) تاج محل کہاں ہے اور کس کی یادگار ہے؟

(۳) تخت طاؤس کے متعلق تم کیا جانتے ہو۔

(۴) شاہ جہاں نے کون کونسی عمارتیں بنوائیں؟

---

(۸)

نظام الملک آصفجاہ

بانئ ریاست حیدر آباد

نظام الملک آصفجاہ اول کے بزرگوں نے بادشاہ اورنگ زیب کے دربار میں بڑی عزت حاصل کی تھی۔ بادشاہ نے انھیں خطاب اور منصب دئیے۔ انھوں نے دکن کے فتح کرنے میں بادشاہ کی بہت خدمت انجام دی تھی۔ نظام الملک کے دادا گولکنڈہ کے محاصرہ میں مارے گئے۔ ان کی قبر حمایت ساگر کے پاس ہے۔

نظام الملک کو بچپن میں بہت اچھی تعلیم دی گئی تھی۔ انھیں ورزش اور سپہ گری کے

سب فن سکھائے گئے تھے۔ وہ سواری اور
شکار کے بہت شوقین تھے۔ وہ شکار کے لئے
ہمالیہ پہاڑ کی ترائی میں جایا کرتے تھے جہاں
ان کی جاگیر تھی۔ ترائی کا جنگل ایسا گھنا
ہے کہ دن میں بھی اس میں سورج کی روشنی
نہیں پہنچتی۔ ہر قسم کے جنگلی خونخوار جانور
یہاں رہتے ہیں۔ وہ ان سنسان جنگلوں میں
اکیلے شکار کے لئے نکل جاتے تھے۔ انھوں
نے سیکڑوں شیر، چیتے تیندوے ریچھ اور ہرن
شکار کیئے ۔

دکن کی لڑائیوں میں کئی دفعہ انھوں نے
ایسی بہادری دکھائی کہ بادشاہ ان سے بہت
خوش ہوا۔ ایک مرتبہ اس نے انھیں دُو

نواب میر قمرالدین خاں فتح جنگ نظام الملک آصف جاہ اول

عرب گھوڑے انعام دیئے۔ ان گھوڑوں
کی ریشمی جھولوں پر سنہری کام کیا ہوا تھا۔
ایک دفعہ سونے کی انگوٹھی انعام دی جس
میں زمرد کا نگ تھا۔ اس نگ پر اُن کا نام
کھُدا ہوا تھا۔ بادشاہ انھیں بہت چاہتا تھا
اور ان پر اعتبار کرتا تھا۔

اورنگ زیب کے مرنے کے بعد ملک
میں بڑی گڑبڑ شروع ہوگئی۔ شہزادوں میں
آپس میں لڑائیاں ہونے لگیں۔ یہ حال دیکھ کر
نظام الملک کو بہت رنج ہوا۔ انھوں نے فقیروں
کا لباس پہن لیا اور لوگوں سے ملنا جلنا چھوڑ
دیا۔ وہ اپنا سارا وقت عبادت میں گزارنے
لگے۔ لیکن تھوڑے دنوں بعد دہلی کے نئے

بادشاہ نے انھیں اپنے دربار میں بلوایا اور منصب اور جاگیر عطا کی ۔ انھیں نظام الملک کا خطاب دیا اور دکن کے علاقوں پر حکومت کرنے کے لئے روانہ کر دیا ۔

جب دہلی میں گڑبڑ ہوئی تو بادشاہ نے نظام الملک کو دکن سے بلا لیا اور انھیں اپنا وزیر بنایا ۔ بادشاہ کا خزانہ خالی تھا ۔ سرکاری نوکروں اور سپاہیوں کو کئی کئی مہینے تنخواہیں نہیں ملتی تھیں ۔ نظام الملک نے بڑی محنت سے ملک کی بدنظمی کو دور کیا اور رعایا کی بھلائی کی ہر طرح کوشش کی ۔

اس زمانے میں ایران کے بادشاہ نادر شاہ نے ہندوستان پر حملہ کیا ۔ دہلی پہنچ کر

اس نے قتل عام کا حکم دیدیا اور تلوار کھینچ کر
سنہری مسجد میں جاکر بیٹھ گیا۔ ہزاروں آدمی
قتل ہوگئے۔ دہلی میں خون کی ندیاں بہ گئیں
کسی میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ نادر شاہ
سے جاکر کچھ کہہ سکے۔ نظام الملک سے لوگوں
کی مصیبت نہیں دیکھی گئی۔ وہ نادر شاہ کے
پاس گئے اور اس کے سامنے جاکر خاموش
کھڑے ہوگئے۔ نادر شاہ نے پوچھا "نظام الملک
تم کیوں آئے ہو"۔ نظام الملک نے جواب
میں ایک فارسی کا شعر پڑھ دیا جس کا مطلب
یہ تھا کہ اب زندہ تو کوئی رہا نہیں اگر قتل
کا شوق باقی ہے تو مُردوں کو زندہ کرکے
انھیں دوبارہ قتل کرو۔ نادر شاہ نے یہ شعر

سن کر شرم سے اپنی آنکھیں نیچی کرلیں اور حکم دیا۔ "اب کوئی شخص قتل نہ کیا جائے اور نہ کسی کا گھر لوٹا جائے"۔ دہلی والے نظام الملک کو دعائیں دینے لگے۔ شہر میں امن قایم ہوا اور مخلوق کی جان میں جان آئی۔ نادر شاہ دہلی سے سونا، چاندی، جواہرات اور ہر قسم کا سامان اونٹوں پر لادکر ایران واپس گیا۔

نادر شاہ جب جانے لگا تو اس نے نظام الملک سے کہا۔ "تمھارے بادشاہ میں حکومت کی قابلیت نہیں ہے، میں تمھیں ہندوستان کا بادشاہ بناتا ہوں"۔ نظام الملک نے جواب دیا "بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ

میں نے جس کا نمک کھایا ہے اس کو دغا
دوں"۔ نادر شاہ نے جب یہ جواب سنا تو اس
کو بہت تعجب ہوا۔ اس نے نظام الملک کی
بہت تعریف کی ۔ واہ، وفاداری اور نمک
حلالی اس کو کہتے ہیں کہ اپنے آقا کی خاطر
دہلی کی سلطنت پر لات ماردی۔

نظام الملک کی ترقی دیکھ کر شاہی دربار
کے بعض لوگ ان سے جلنے لگے۔ انھوں نے
بادشاہ سے ان کے خلاف طرح طرح کی باتیں
کہیں۔ بادشاہ اپنے دوست دشمن کو نہیں
پہچانتا تھا۔ وہ ان کی باتوں کو سچ سمجھنے
لگا۔ نظام الملک نے جب یہ حال دیکھا تو
وہ دکن چلے آئے اور ریاست حیدر آباد قایم

کی۔ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو دکن کا علاقہ مغلیہ سلطنت کے ہاتھ سے ہمیشہ کے لئے نکل جاتا۔ دہلی کے مغل بادشاہ نے انھیں آصف جاہ کا خطاب دیا۔

نظام الملک نہایت عقلمند اور ہمت والے شخص تھے۔ وہ علم و فن کی قدر کرتے تھے۔ فارسی زبان میں خود شعر کہتے تھے۔ وہ بڑے محنتی تھے۔ حکومت کا سب کام خود کرتے تھے۔ بُوڑھاپے کے زمانے میں بھی وہ دُور دراز علاقوں کا سفر کیا کرتے تھے۔ ان کی عمر کا زیادہ حصّہ گھوڑے کی پیٹھ پر گزرا۔ ان کی نیکی کا یہ حال تھا کہ مرنے کے دن تک برابر اپنی رعایا کی بھلائی کے لئے کام

کرتے رہے۔

مشق کے سوال

(۱) نظام الملک کے مغل بادشاہ سے کیسے تعلقات تھے۔

(۲) ریاست حیدر آباد نظام الملک نے کیوں قایم کی؟

(۳) نظام الملک کا اصلی نام کیا تھا؟ ان کو کیا کیا خطاب ملے۔

(۴) نادر شاہ نے چلتے وقت نظام الملک سے کیا کہا تھا اور انھوں نے اس کو کیا جواب دیا۔

---

(۹)

لارڈ کلائیو

کلائیو کا باپ ایک غریب آدمی تھا۔

لارڈ کلائیو

اس نے کلائیو کو گاؤں کے مدرسہ میں داخل

کر دیا تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ کلائیو پڑھ لکھ کر کچھ
کمانے کے قابل ہو جائے گا تو خاندان کو مدد
ملے گی۔ لیکن کلائیو بچپن میں بہت شریر تھا۔
اس کا دل پڑھنے لکھنے میں بالکل نہیں لگتا
تھا۔ کلائیو اور اس کے ساتھی گاؤں کے
دکانداروں کو بہت پریشان کیا کرتے تھے۔
ان کی دکانوں سے کھانے پینے کی چیزیں
اُڑا لایا کرتے تھے۔ کلائیو کی ان حرکتوں کے
سبب سے اس کے استاد اور گاؤں والے
اس سے بیزار ہو گئے تھے۔

کلائیو کا باپ اتنا غریب تھا کہ وہ اپنے
بیٹے کی مدرسہ کی فیس مشکل سے ادا کر سکتا
تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ کلائیو کا دل پڑھنے

میں نہیں لگتا تو اس نے مدرسہ سے اس کا نام کٹوا لیا۔ اس کے ایک دوست نے کہا۔ "تمہارا لڑکا پڑھنے لکھنے کے کام کا نہیں ہے۔ اسے ہندوستان بھجوا دو تاکہ روزی کمانے لگے۔ لندن میں میرا ایک ملاقاتی ہے جو ہندوستان سے تجارت کرتا ہے۔ کہو تو میں اس سے کچھ کہوں"۔

اس زمانے میں انگریز تاجروں نے ہندوستان میں اپنی کوٹھیاں قایم کرلی تھیں۔ ان کوٹھیوں میں اہلکاروں کی ضرورت ہوتی تھی جو تجارتی مال کا حساب کتاب رکھا کرتے تھے۔

کلائیو جب ہندوستان آیا تو اس وقت اس کی عمر ۱۹ برس تھی۔ وہ دفتر میں حساب

کتاب کا کام کرنے لگا۔ لیکن اس کا دِل اس کام میں بالکل نہیں لگا۔ اس سے نچلا نہیں بیٹھا جاتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ کوئی ایسا کام کرے جس میں اس کو بہادری ظاہر کرنے کا موقع مِلے۔

کلائیو ایک معمولی اہلکار تھا۔ لیکن وہ اپنے آپ کو بہت کچھ سمجھتا تھا۔ لوگ اس کو مغرور خیال کرتے تھے۔ ایک دفعہ کا ذِکر ہے کہ مدراس کے گورنر کے سکرٹری سے کسی بات پر اس کی لڑائی ہو گئی۔ اس نے اس کو خوب کھری سنائیں۔ سکریٹری نے گورنر سے جا کر شکایت کر دی۔ گورنر نے حکم دیا کہ کلائیو معافی مانگے۔ کلائیو گورنر کا حکم ماننے پر مجبور تھا۔ وہ سکریٹری

کے پاس گیا اور کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ میں نے آپ کو برُا بھلا کہا۔" سکریٹری نے جو کلائیو کی طرح نوجوان تھا کلائیو سے کہا۔ "جو ہوا سو ہوا۔ اب آئندہ سے ہم تم دو دوستوں کی طرح رہیں گے۔ اچھا آج شام کا کھانا میرے ساتھ کھانا۔" بجائے اس کے کہ کلائیو کھانے کی دعوت کا شکریہ ادا کرے وہ بولا۔ "نہیں جناب میں آپ کے ساتھ کھانا نہیں کھا سکتا۔ گورنر کا حکم یہ تھا کہ آپ سے معافی مانگوں۔ اس نے مجھے یہ حکم نہیں دیا کہ آپ کے ساتھ کھانا بھی کھاؤں"۔ یہ کہکر وہ اپنے گھر چلا آیا۔

اس زمانے میں جب انگریزوں کو ہندوستان میں لڑنا پڑا تو انھیں فوجی افسروں کی ضرورت

ہوئی۔ کلائیو بھی فوج میں داخل ہوگیا۔ اپنی قابلیت
سے اس نے بہت جلد ترقی کی۔ اس نے اپنی
بہادری سے کئی لڑائیوں میں کامیابی حاصل
کی۔ ارکاٹ کے قلعہ کو اس نے بڑی بہادری
سے فتح کیا۔ کلائیو کی فوج تھوڑی تھی۔ اُن
میں سے اکثر لڑائی کے طریقے بھی نہیں جانتے
تھے۔ کھانے پینے کا سامان بھی کم تھا۔ لیکن
کلائیو ہمت نہیں ہارا۔ اس نے اپنے سپاہیوں
کا ایسا دل بڑھایا کہ دشمن بھاگ کھڑے ہوئے۔

کلائیو نے کرناٹک اور بنگال میں انگریزی
حکومت قایم کردی۔ اس کی قابلیت سے انگریز
لوگ جو اب تک تجارت کرتے تھے ہندوستان
کے بڑے بڑے علاقوں کے حاکم بن گئے انگریزوں

کے بادشاہ نے کلائیو کی بڑی عزت کی اور اس کو لارڈ کا خطاب دیا۔

کلائیو کبھی ہمت نہیں ہارتا تھا۔ اس کی رائے ہمیشہ درست ہوا کرتی تھی۔ وہ بلا کا محنتی تھا۔ کام سے کبھی نہیں تھکتا تھا۔ اس نے جو کام اپنے ذمہ لیا اس میں کامیابی حاصل کی ہندستان میں انگریزی حکومت اس نے قایم کی۔

مشق کے سوال

(۱) کلائیو کے بچپن کا حال بیان کرو۔

(۲) کلائیو ہندوستان کیوں آیا۔

(۳) ارکاٹ کا قلعہ کلائیو نے کیسے فتح کیا۔

(۴) کلائیو کے مشہور ہونے کی کیا وجہ ہوئی۔

(۱۰)

ٹیپو سلطان

دنیا میں ایسے آدمی بھی گذرے ہیں جو غریب گھرانوں میں پیدا ہوئے لیکن اپنی ہمت اور عقلمندی سے ترقی کرکے بڑے درجوں پر پہونچے۔ حیدر علی بھی ایک غریب آدمی تھا۔ وہ ایک معمولی سپاہی سے ترقی کرتا کرتا سپہ سالار ہوا اور پھر میسور کا بادشاہ بن گیا۔

ٹیپو سلطان

جب انگریزوں نے جنوبی ہندوستان میں اپنی حکومت قایم کرنا شروع کی اُس وقت ملک میں بڑی گربڑ مچی ہوئی تھی۔ حیدر علی نے اس سے فائدہ اٹھایا اور میسور میں اپنی حکومت قائم کرلی۔

حیدر علی کے مرنے پر اس کا بیٹا ٹیپو سلطان بادشاہ ہوا۔ بچپن میں اس کو نہایت عمدہ تعلیم دی گئی تھی۔ پڑھانے لکھانے کے لئے کئی قابل استاد مقرر تھے۔ اس کو فارسی اردو اور کنڑی کے علاوہ انگریزی اور فرانسیسی بھی سکھائی گئی تھی۔ وہ ان زبانوں میں بات چیت کرسکتا تھا۔ اس کو سواری اور بندوق چلانا بھی خوب آتا تھا۔ اس کا بندوق کا

نشانہ بلا کا تھا۔ وہ اُڑتی چڑیوں اور بھاگتے
ہوئے ہرنوں کو گولی سے گرا لیتا تھا۔ بچپن
ہی سے وہ بڑا تیز اور ذہین تھا۔ اُس کے
چہرہ سے شاہی رعب ٹپکتا تھا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے جس وقت کہ ٹیپو سلطان
کی عمر آٹھ سال کی تھی وہ سڑک کے کنارہ
بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ اتفاق سے ادھر
ایک فقیر آ نکلا اور وہیں سڑک کے پاس بچوں
کا کھیل دیکھنے بیٹھ گیا۔ ان بچوں میں سے
بعض بچے فقیر کے پاس آکر بیٹھے اور اس سے
اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگے۔ بعض اسے چھیڑنے لگے۔
بعض کہنے لگے۔ "سائیں، ہمیں مٹھائی اور گیند
لا کر دو"۔ ٹیپو بھی فقیر کے پاس جا کر بیٹھ گیا

اور اس سے باتیں کرنے لگا۔ فقیر نے جو اس
کی باتیں سنیں تو اس نے اس کے سر پر
ہاتھ پھیرا، دعا دی اور کہا۔ ”بابا! تو ایک دن
اس ملک کا بادشاہ ہوگا۔“ ٹیپو نے کہا۔ ”اچھا
اگر میں بادشاہ ہو جاؤں تو کیا کروں“۔ فقیر بولا۔
”بابا! جب تو بادشاہ ہو جائے تو غریبوں
کی بھلائی کا خیال رکھنا اور اس جگہ جہاں
میں کھڑا ہوں ایک مسجد بنوانا جو تیری یادگار
رہے گی“۔ یہ کہہ کر فقیر نے اپنا راستہ لیا اور
بچے بھی اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔

اس وقت ٹیپو کا باپ حیدر علی ایک
معمولی فوجی افسر تھا۔ فقیر کی بات پر کسی
نے یقین نہیں کیا۔ لیکن اس کا کہنا سچ نکلا۔

ٹیپو سلطان جب اپنے باپ کے مرنے پر میسور کا بادشاہ ہوا تو اس نے فقیر سے جو وعدہ کیا تھا اس کو پورا کیا۔ جس جگہ فقیر سے اس کی باتیں ہوئی تھیں وہاں اس نے ایک عالیشان مسجد بنوائی جو آج تک موجود ہے ؞

تخت پر بیٹھنے کے بعد ٹیپو سلطان نے اپنی فوج میں بہت سے فرانسیسی افسروں کو نوکر رکھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کے سپاہی یورپ والوں کے لڑائی کے طریقوں کو سیکھ جائیں تاکہ وہ انگریزوں کا مقابلہ کرسکے۔

ٹیپو سلطان بڑا بہادر تھا۔ اس کو شکار کا بہت شوق تھا۔ ایک دفعہ ایک فرانسیسی

افسر کے ساتھ وہ شیر کے شکار کو گیا۔ شیر
کچھ فاصلہ پر نظر آیا۔ فرانیسی افسر نے گولی
مارنے کو اپنی بندوق اٹھائی۔ٹیپو سلطان
نے جھٹ اس کے ہاتھ سے بندوق چھین
لی اور کہا۔ "دور سے شکار مارا تو کیا مارا
بہادری اس میں ہے کہ تلوار سے شیر کا
مقابلہ کرو"۔ وہ یہ کہہ ہی رہا تھا کہ شیر نے
اس پر حملہ کر دیا۔ٹیپو سلطان نے بجلی کی طرح
جھپٹ کر اس پر تلوار کا اس زور سے وار کیا
کہ شیر کی گردن دھڑ سے الگ جا پڑی۔
ٹیپو سلطان نے رعایا کی بھلائی کے لئے بہت سے
کام کئے۔ دریائے کاویری کا پانی روکنے کے لئے
اس نے ایک بند (کٹا) بنوایا تاکہ کھیتی کے لئے پانی

آسانی سے مل سکے۔ اُس سے یہ فائدہ ہوا کہ گرمی
کے دنوں میں شہر میں جو پانی کی کمی ہوتی تھی وہ
جاتی رہی اور خشک زمینوں پر ہرے ہرے کھیت لہلہانے لگے

ٹیپو سلطان کو باغ لگوانے کا بھی بہت
شوق تھا۔ ریشم کے کیڑے اور شہتوت کے
پودے اس نے مختلف مقاموں سے منگاکر اپنے
باغوں میں لگوائے۔ اس زمانے میں میسور
میں امیر لوگ غریبوں کو غلام بنا لیتے تھے۔
اس نے اِس بُری رسم کو بند کر دیا اور حکم
دے دیا کہ آیندہ اگر کوئی کسی غریب کو غلام
بنائے گا تو اس کو سخت سزا دی جائے گی۔

ٹیپو سلطان کا دربار نہایت شاندار تھا۔
اس نے اپنی بارہ دری کی دیواروں پر ان

لڑائیوں کی تصویریں بنوائیں تھیں جن میں وہ خود شریک ہوا تھا۔ اس کے زمانے میں شہر میسور کو بہت ترقی ہوئی۔

انگریزوں نے ٹیپو سلطان کے خلاف جنگ کی اور اس کے پایہ تخت سرنگا پٹم کو گھیر لیا۔ ٹیپو سلطان کے کچھ افسر انگریزوں سے مل گئے۔ ایک دن وہ اپنے محل میں بیٹھا کھانا کھا رہا تھا تو انگریزی فوج نے قلعہ کی فصیل توڑ دی۔ ٹیپو سلطان کے وزیروں نے اس کو رائے دی کہ اب انگریزوں سے صلح کر لو۔ لیکن اُس نے کہا۔ "شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سو برس کی زندگی سے بہتر ہے"۔ یہ کہہ کر وُہ انگریزی فوج کے مقابلہ کے لئے اٹھا اور

فوج کو ہمت دلاتا ہوا آگے بڑھا۔ جب تک اس کے دَم میں دم رہا وہ لڑتا رہا۔ بالآخر اس کے سینے میں ایک گولی لگی۔ وہ بیہوش ہو کر گرا اور مر گیا۔ اس کے مرنے کا رعایا کو بہت رنج ہوا۔

مشق کے سوال

(۱) ٹیپو سلطان کا باپ کون تھا۔

(۲) ٹیپو سلطان کے بچپن میں فقیر نے اس کے متعلق کیا کہا تھا۔ اس کا قصہ بیان کرو۔

(۳) ٹیپو سلطان شیر کا شکار کس طرح کرتا تھا۔ اس کے متعلق قصہ بیان کرو۔

(۴) ٹیپو سلطان نے رعایا کی بھلائی کے لئے کیا کام کئے

(۵) ٹیپو سلطان کے لڑائی میں مارے جانے کا حال بیان کرو۔

(۱۱)

راجا رام موہن رائے

رام موہن رائے بنگال کے ایک برہمن خاندان میں پیدا ہوئے۔ ان کے باپ فارسی زبان اچھی طرح جانتے تھے۔ انھوں نے رام موہن کو بھی فارسی سکھائی۔ ذرا بڑے ہوئے تو سنسکرت زبان پنڈتوں سے سیکھی۔

راجا رام موہن رائے

اس زمانے میں بنگال میں انگریزی حکومت

قایم ہوچکی تھی۔ وہ انگریزی مدرسہ میں داخل ہوگئے اور انگریزی بھی خوب اچھی طرح سیکھ لی۔ وہ بڑے ذہین تھے۔کم عمری میں انھوں نے کئی زبانیں سیکھ لیں۔

بچپن سے رام موہن رائے سوچ میں رہا کرتے تھے۔ وہ جو کچھ دیکھتے اس پر غور کرتے تھے۔ بنگال میں اس زمانے میں ستی کی رسم جاری تھی۔ انھوں نے بچپن میں اپنی آنکھوں سے وہ سماں دیکھا تھا جب اُن کی بھاوج کو جن کی عمر بہت کم تھی زندہ جلادیا گیا تھا۔ اس واقعہ کا اثر اُن کے دل پر ایسا ہوا کہ عمر بھر نہ مٹا۔ انھوں نے ارادہ کرلیا کہ ایسی رسموں کو مٹاکر رہوں گا۔

رام موہن رائے کو سادھوؤں سے بلنے کا
بہت شوق تھا۔وہ جانتے تھے کہ اُن سے
انھیں سچے دھرم کی باتیں معلوم ہوں گی۔انھوں
نے سنا تھا کہ ہمالیہ پہاڑ کی چوٹیوں پر بڑے
بڑے مہاتما رہتے ہیں جو دن رات عبادت
کیا کرتے ہیں۔ وہ ایک دن بغیر کہے سنے
ان کی تلاش میں چلدئے۔ ہمالیہ پہاڑ کے
گھنے جنگلوں میں اکیلے پھرتے پھرتے
بعض سادھو لوگوں سے ملے۔ ایک جھونپڑی
میں ان کے ساتھ رہنے لگے۔ داڑھی اور
سر کے بال بڑھا لئے اور جسم پر خاک مل لی
جنگلی خونخوار جانور ان کی جھونپڑی کے پاس
پھرتے تھے۔لیکن وہ ان سے ایسے مانوس

تھے کہ کوئی نقصان نہیں پہونچاتے تھے۔

پہاڑوں میں جو جڑی بوٹی ملجاتی تھی اس پر گزارہ کرتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ ساری عمر اسی طرح رہیں لیکن باپ کی محبت انھیں پھر واپس کھینچ لائی۔ ان کے باپ نے ان کی تلاش میں آدمی روانہ کئے۔ ان آدمیوں نے رام موہن رائے سے کہا۔ "تم کو سچا دھرم اس وقت تک نہیں مل سکتا جب تک اپنے والد کی تکلیف کو دور نہ کرو۔ تمہارے غم میں وہ روتے روتے اپنی آنکھیں کھوئے دیتے ہیں"۔ رام موہن رائے پر ان کی باتوں کا اثر ہوا۔ وہ باپ کے خیال سے واپس آگئے۔

رام موہن رائے ماں باپ کی اطاعت کو اپنا فرض سمجھتے تھے۔ ان کے باپ نے

سرکاری نوکری کرنے کو کہا تو انھوں نے یہ بھی منظور کرلیا۔ ایک دفتر میں نوکر ہو گئے۔ لیکن دل دفتر کے کام میں نہیں لگتا تھا۔ جب ان کے باپ مر گئے تو انھوں نے نوکری چھوڑ دی۔

رام موہن رائے نے ایک انجمن قایم کی جس کا نام برہمو سماج ہے۔ اس انجمن کا مقصد تھا کہ رسم و رواج میں جو خرابیاں پیدا ہوگئی ہیں انھیں دور کیا جائے۔ جو لوگ اس انجمن میں شریک ہو جاتے تھے وہ مورتی پوجا اور ذات پات کو نہیں مانتے تھے۔ وہ سب آدمیوں کو چاہے ان کی ذات کچھ بھی ہو برابر سمجھتے تھے۔ ستی کی رسم اور کم عمری کی شادیوں کو

بُرا بتاتے تھے۔ بنگال اور ہندوستان کے دوسرے حصوں میں بھی بہت سے لوگ اس انجمن میں شریک ہوگئے۔

رام موہن رائے کے نیک کاموں اور ان کی قابلیت کی شہرت سارے ملک میں پھیل گئی۔ اس زمانے میں دہلی کا مغل بادشاہ سرکار انگریزی سے کچھ ناراض ہوگیا۔ وہ چاہتا تھا کہ کسی قابل آدمی کو اپنے وکیل کے طور پر ملکۂ وکٹوریہ کے پاس انگلستان بھیجے تاکہ وہ جاکر اس کی شکایتوں کو ملکہ سے بیان کرے۔ کسی نے رام موہن رائے کا بادشاہ سے ذکر کیا۔ بادشاہ نے رام موہن رائے کو کلکتہ سے بلوا بھیجا اور اپنا معاملہ سمجھایا۔ رام موہن رائے

انگلستان جانے پر راضی ہو گئے۔ بادشاہ نے انھیں راجا کا خطاب عطا کیا اور رخصت کیا۔ راجا رام موہن رائے انگلستان میں تین برس رہے اور وہیں فوت ہوئے۔

راجا رام موہن رائے بہت نیک آدمی تھے۔ وہ انگریزی تعلیم ہندوستانیوں کے لئے ضروری سمجھتے تھے۔ ان کے اثر سے بعض خراب رسمیں دور ہوئیں۔ وہ بے غرض تھے اور ہمیشہ اپنی قوم کی بھلائی کی فکر میں رہتے تھے۔

مشق کے سوال

۱۔ راجا رام موہن رائے پر بچپن میں کس واقعہ کا بہت اثر ہوا۔
۲۔ راجا رام موہن رائے جنگل سے کیوں واپس ہوئے۔
۳۔ برہمو سماج کیوں قائم ہوا؟
۴۔ راجا رام موہن رائے کو راجا کا خطاب کس نے دیا؟

(۱۴)

سرسید احمد خاں

سرسیّد کو ابتدائی تعلیم اُن کی ماں نے دی
تھی۔ ان کی ماں نہایت عقلمند اور قابل عورت
تھیں۔ انھوں نے اپنے بچے کو جو باتیں چھوٹے
پن میں سکھا دیں انھیں وہ عمر بھر نہ بھولا سرسیّد
کی عمر بھر یہ عادت رہی کہ وہ اپنے نوکروں کے ساتھ
بہت اچّھا برتاؤ کرتے تھے۔ اس کی اصل وجہ یہ تھی
ایک دفعہ جب سرسیّد کی عمر ۱۲ سال کی
تھی تو انھوں نے غصّہ میں آکر اپنے نوکر کے
منہ پر تھپڑ مار دِیا۔ ان کی ماں کو معلوم ہوا تو
وہ بہت خفا ہوئیں۔ سرسید کو گھر سے باہر

نکال دیا۔ سرسید روتے ہوئے اپنی خالہ کے گھر گئے اور ان سے سب حال کہہ سنایا۔ خالہ انھیں لے کر آئیں تو ماں نے سرسید سے بات نہیں کی۔ سرسید کی خالہ نے بہت کچھ کہا سنا تو انھوں نے کہا۔ "اچھا اگر نوکر معاف کر دیگا تو میں معاف کردوں گی"۔ سرسیّد روتے ہوئے نوکر کے پاس معافی مانگنے گئے۔ اس نے انھیں گود میں اٹھا لیا اور پیار کیا۔ ان کی والدہ نے بھی اس کے بعد ان کے قصور کو معاف کردیا۔

سرسید کے بچپن میں دلی میں انگریزوں کی حکومت قائم ہوچکی تھی لیکن لال قلعہ میں مغل بادشاہ کو اپنا دربار کرنے کی اجازت تھی۔ دربار میں شاہ جہاں کے زمانے کی سی شان وشوکت
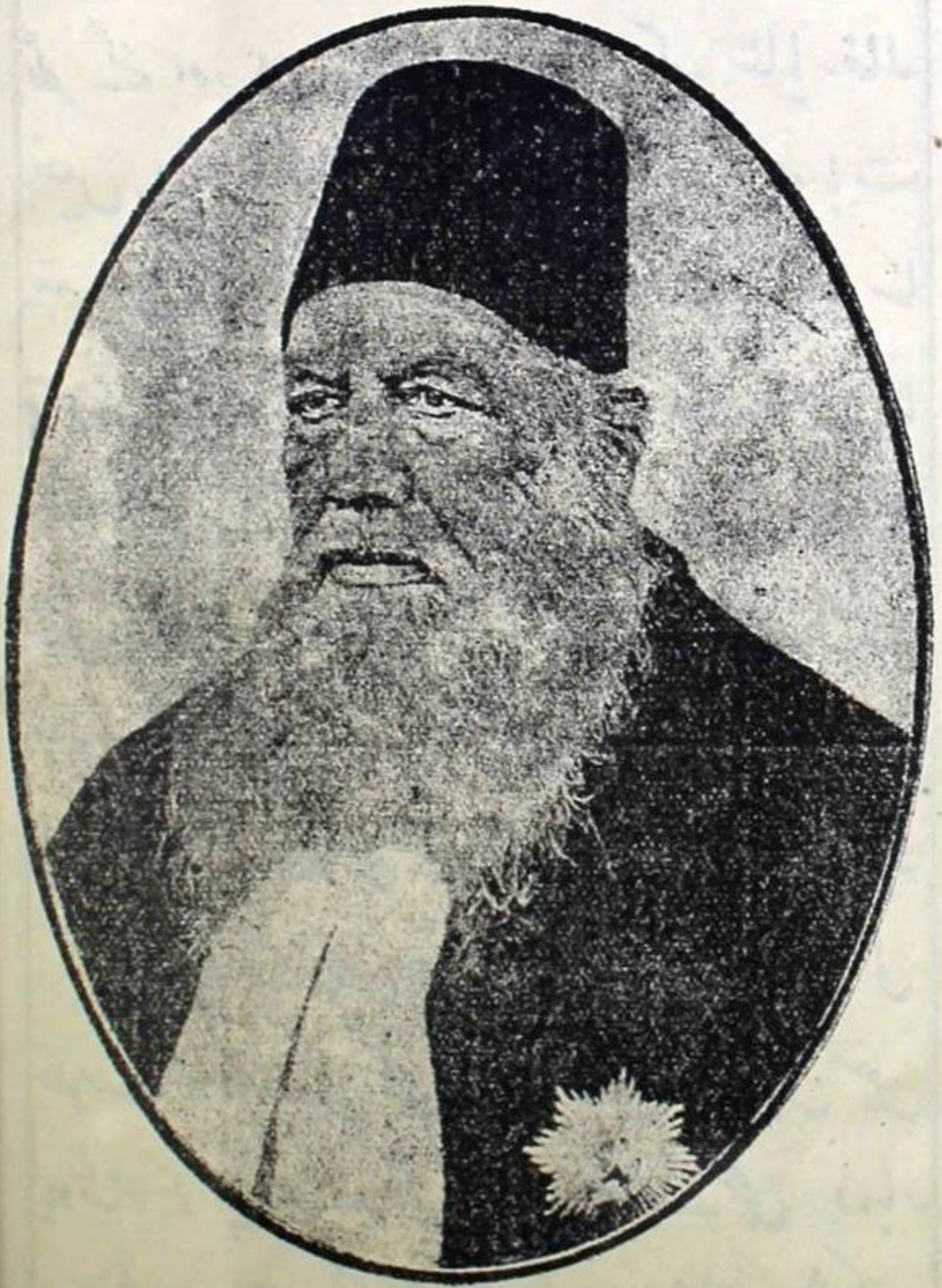
سر سید احمد خاں

تو باقی نہیں رہی تھی لیکن پھر بھی تھوڑی بہت رونق رہتی تھی۔ دہلی کے امیر اپنے ریشمی زرق برق لباس پہن کر دربار میں شریک ہونے جاتے تھے اور بادشاہ کو نذریں دیتے تھے۔ سرسید کے خاندان کا بھی دربار سے تعلق تھا۔ انھیں بھی دربار میں شریک ہونے کو بلایا گیا۔

دربار صبح سویرے ہوتا تھا۔ بچپن کی میٹھی نیند ایسی ہوتی ہے کہ آدمی کو ہوش نہیں رہتا۔ سرسید کی آنکھ لگ گئی۔ ذرا دیر سے اٹھے۔ منہ ہاتھ دھوئے، نئے کپڑے پہنے اور گھوڑے پر سوار ہو دربار کو روانہ ہوئے۔ گھوڑا تیز سرپٹ لے گئے لیکن جب بھی پہنچنے میں دیر ہو گئی۔ دروازہ میں داخل ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں

کہ بادشاہ دربار ختم کر کے پالکی میں بیٹھ کر
اپنے محل کو جا رہے ہیں۔ سر سید وہیں ٹھیر
گئے۔ بادشاہ کی ان پر نظر پڑی تو انہیں اپنے
پاس بلایا۔ پوچھا "کیوں اتنی دیر کہاں ہو گئی"۔
سر سید چپ چاپ کھڑے رہے۔ ایک درباری
نے کہا "کہدو قصور ہوا"۔ سر سید پھر چپ چاپ
کھڑے ہو گئے۔ جب بادشاہ نے دوبارہ پوچھا
تو بولے۔ "حضور آنکھ لگ گئی تھی۔ اِس لئے
یہاں پہنچنے میں دیر ہو گئی"۔ بادشاہ اس سچے
جواب کو سُن کر بہت خوش ہوا۔ اس نے
انھیں جواہرات انعام دئے اور محل کی طرف
جاتے ہوئے اُن سے کہا۔ "آئندہ جب
دربار ہو تو میاں سویرے اٹھنا"۔

سرسید نہایت ذہین اور محنتی تھے۔ انھیں عربی، فارسی اور اردو کی کتابیں پڑھنے کا بہت شوق تھا۔ اٹھارہ برس کی عمر میں وہ دہلی میں ایک کچہری میں نوکر ہو گئے۔ پھر بہت جلد ترقی کر کے منصف ہو گئے۔ جب غدر ہوا تو سرسید نے انگریز عورتوں اور بچوں کی جانیں بچائیں۔ ان کی خدمات کے سبب سے سرکار انگریزی میں ان کی بہت عزت ہوتی تھی۔

غدر کے بعد مسلمان خاندانوں پر بڑی تباہی آئی۔ سرسید نے سوچا کہ اب زمانہ بدل گیا ہے بغیر انگریزی تعلیم کے مسلمان ترقی نہیں کر سکتے۔ چنانچہ انھوں نے علیگڈھ میں ایک کالج قائم کیا۔ جہاں ہندوستان کے ہر حصے سے طالب علم تعلیم حاصل

کرنے جاتے ہیں۔

شروع میں سرسید کی بہت مخالفت کی گئی۔ لیکن بعد میں سب نے ان کا احسان مانا۔ وہ ذہن کے پکے تھے۔ جو ارادہ کر لیتے تھے اسے پورا کرتے تھے۔ وہ ہمیشہ ٹھیک بات کہتے تھے چاہے کسی کو اچھی لگے یا بری۔ وہ بڑے عالم آدمی تھے۔ انھوں نے بہت سی کتابیں اور مضمون لکھے جن کا مقصد اپنے ملک والوں کی حالت کو بہتر بنانا تھا۔ اہل ہند سرسید کے احسان کو کبھی نہیں بھول سکتے۔

مشق کے سوال

۱۔ سرسید کو ان کی ماں نے گھر سے باہر کیوں نکال دیا تھا۔

۲۔ سرسید کے دربار جانے اور بادشاہ سے گفتگو کرنے کا قصہ بیان کرو۔

۳۔ علیگڈھ کالج کیوں قائم ہوا؟

ختم شد

ناشر
سیّد عبد القادر اینڈ سنس
تاجرانِ کتب و گورنمنٹ ایجوکیشنل پبلشرز
و مالک
اعظم اسٹیم پریس گورنمنٹ ایجوکیشنل پرنٹرز
حیدرآباد دکن